

اس کی نگاہیں ایک ہی نکتے پر مرکوز تھیں، اچانک اس نے اپنی نظروں کا زاویہ بدلا اور مٹھی کھول کر اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھنے لگی اس کے کانوں میں آوازوں کی۔ بازگشت گونجی۔

”تمہارا ہاتھ بہت لمبی ہے ایسا ہاتھ میں نے بہت کم لوگوں کا دیکھا ہے، کسی کو نہ دکھانا۔“

”کیوں کیا خاص بات ہے باباجی ہمیں بھی تو بتائیں۔“ ضویا نے ہنستے ہوئے پوچھا تھا۔

”محبت ہی محبت ہے محبت بانٹتی ہے اور جواب میں بے انتہا محبت ملتی ہے دولت کی کمی نہیں اور دل کی لکیر پر چاند اور تاروں کا جھرمٹ اس کی خوش بختی کو ظاہر کرتا ہے۔ دکھ، بیماری اور تکلیف زندگی کے نزدیک نہیں آئے گی جو منہ سے نکالے گی وہ پورا ہوگا گھر پر ایک شہزادی کی طرح راج کرے گی ہر ایک کے دل کی ملکہ بنے گی۔“

”باباجی کوئی شہزادہ بھی ملے گا یا ہماری شہزادی.....!“ حنا نے پوچھا۔

”شہزادے کو شہزادی پتہ نہیں کیوں خود ٹھکرا دے گی اور یہ اس کی زندگی کی بہت بڑی غلطی ہوگی۔“

”سن لو مہارانی صاحبہ ایسی غلطی مت کرنا۔“

☆☆☆.....

وہ سب یونیورسٹی سے نکلیں تو نجومی کو دیکھ کر بے اختیار مستقبل جاننے کی جستجو میں اس کے پاس چلی آئیں سب نے ہاتھ دکھایا مگر اس کا ہاتھ دیکھتے ہی نجومی نے کہا تھا۔

”ایسا ہاتھ میں نے بہت کم لوگوں کا دیکھا ہے۔“ اور اس نے نجومی بابا کی سب باتیں سن کر کہا تھا۔ ”ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں باباجی میں گھر بھر کی لاڈلی ہوں بڑی بیٹی جس کے پیدا ہوتے ہی بابا کی پروموشن ہوئی اماں کا دس لاکھ کا پرائز بانڈ نکلا جو اپنے بعد بابا کا وارث لے کر آئی دیکھ لو باباجی سچ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے گھر کی شہزادی ہوں جس کے منہ سے نکلی بات پوری کرنا سب اپنا فرض سمجھتے ہیں اتنی ڈھیر ساری محبتیں مجھے میسر ہیں۔“ اس نے اتراتے ہوئے کہا تھا۔

آج اس نے ایک بار پھر اپنی ہتھیلیوں کو غور سے دیکھا خوشیوں کے سب جگنوڑ چکے تھے اب تو بس دونوں ہاتھ خالی تھے بے بسی سی بے بسی تھی زندگی اذیت دے رہی تھی لفظ نشتر کی طرح دل و روح کو چھلنی کر رہے تھے وہ پیارے رشتے جو کبھی اس کی محبت کا دم بھرتے تھے وہ صبح کہتی تو وہ صبح مانتے آج اس سے یوں بے زار ہوں گے اس نے سوچا بھی نہ تھا سب قربانیاں، محبتیں اور وفایں فنا ہو چکی تھیں صرف خود غرضی بچی تھی لیکن وہ تو خود غرض نہ تھی اس نے تو سب کی خاطر اپنا تن من دھن سچ دیا تھا۔

پھر.....

آنسو ایک تو اتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے خوبصورت گھنی اور لمبی پلکیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔

☆☆☆.....

”سنو تمہاری پلکیں بہت خوبصورت ہیں انہیں آنسوؤں سے بھینکنے مت دینا اگر کبھی رونے کو دل چاہے تو مجھے بلا لینا تمہاری پلکوں کے سارے تارے میں اپنے ہاتھوں سے چن لوں گا۔“ سرگوشی سنائی دی۔ ”تم ہنستی اچھی لگتی ہو تم روتی بالکل بھی اچھی نہیں لگتی ہو۔“

☆☆☆.....

”میری جان کو اماں نے ڈانٹا ہے، بیگم میری بیٹی کی آنکھوں میں آنسو.....!“

”میری اپنی جرات کہ آپ کی لاڈلی کو کچھ کہوں آپ کی لاڈلی نے کڑوا پیا کاٹا ہے جس سے آنکھوں میں پانی آ گیا ہے۔“

”باباجانی آپ واقعی مجھے روتے نہیں دیکھ سکتے۔“

”ہاں بابا کی جان جس نے آپ کو رلایا میں اسے جان سے مار دوں گا آپ مجھے اتنی ہی پیاری ہو میں آپ کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا

ہر لمحہ میں یہی دعا کرتا ہوں میرے اللہ میرے بچوں کو سدا خوش رکھنا ان کی تکلیف بھی مجھے دے دینا۔“

”نہ باباجانی یہ فاول ہے آپ کی تکلیف ہماری تکلیف ہوگی آپ یہ دعا مانگیں کہ اللہ ہم سب کو ہر دکھ اور ہر تکلیف سے بچائے۔“ اور وہ ہلکھلا کر ہنس پڑی۔

☆☆☆.....

آنسو اور تیزی سے پہنے لگے آج ان آنسوؤں کو صاف کرنے والا کوئی نہ تھا آوازیں گدگد ہو رہی تھیں۔
 ”آپ بہت لکی ہیں تم مجھے بہت پیاری ہو میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔ بچیا آپ تو میری جان ہو آئی کیا ہوا؟ اف کب ان سے جان چھوٹے گی؟
 آہ وہ سہانے دن مٹھی میں ریت کی مانند پھسل گئے اب تو وہ لقمہ حق صحرائیں تن تنہا کھڑی تھی سب کچھ بدل چکا تھا اب اس کا نازک وجود سب پر بوجھ بن گیا تھا۔

سنو جب تمہیں لگے کہ اب زندگی اکیلے بتانی مشکل ہے تو مجھے آواز دینا میں منتظر ملوں گا۔
 کیا مجھے برسوں پہلے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لینا چاہیے جسے میں نے خود ان رشتوں پر قربان کر دیا مگر لوگ کیا کہیں گے؟ وہ شش و پنج میں تھی اور ماضی کی پریشانیوں سے تہہ در تہہ اس کے سامنے کھل رہی تھیں۔

☆☆☆.....

اس کے بابا ایک کمپنی میں مینجر تھے اس نے ایک خوشحال گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اس کی دادو کہتیں وہ بڑی منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوئی دس سال بابا اور اماں پیروں فقیروں کے در کی خاک چھانٹتے رہے کیونکہ ڈاکٹر ز کہتے آپ دونوں ٹھیک ہو بس اللہ کی طرف سے دیر ہے اور دس سال بعد جب وہ پیدا ہوئی تو بابا جنرل مینجر بن گئے اور اماں نے جو برسوں پہلے دس ہزار کا پرائز بانڈ لیا تھا اس پر دس لاکھ کا فرسٹ پرائز نکلا یوں وہ پورے خاندان میں خوش بخت کے نام سے مشہور ہو گئی گھر بھر کی لاڈلی۔

دو سال بعد حادثہ کا آنا بھی اس کی خوش بختی کا حوالہ بنا پھر ارمہ اور سعد بھی اس کی اہمیت کم نہ کر سکے وہ اول روز سے اہم تھی اہم رہی لیکن اس اہمیت نے نہ اس میں تکبر پیدا کیا نہ وہ اپنے سیدھے راستے سے بھٹکی عام طور اتنا پیارا تالا ڈاڈا اور اہمیت لڑکیوں اور لڑکوں میں تکبر پیدا کر دیتا ہے وہ ضدی اور اپنی خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں دوسرے لوگ چاہے وہ بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں انہیں حقیر سمجھنے لگتے ہیں خود غرضی اور خود پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن وہ ان تمام بد عادات سے دور تھی۔

بابا، اماں اور دادو کی تربیت نے اسے انمول ہیرا بنادیا تھا جیسا اس اور محبت سے گندھا اس کا وجود ہر ایک کے لیے خوشی کا باعث بن جاتا وہ نہ صرف خاندان میں اپنی اچھی عادات کی وجہ سے ہر دل عزیز تھی بلکہ اسکول کالج اور یونیورسٹی میں بھی اپنے اساتذہ اور اپنے کلاس فیلو کے لیے پسندیدہ ہستی تھی۔

دھک کی پہلی بارش سے وہ اس وقت آشنا ہوئی جب دادو کو اچانک ہارٹ ایٹک ہوا دادا کے وجود سے تو وہ نا آشنا تھی دادا اس کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

مگر دادو نے تو اسے گودوں کھلایا تھا وہ تو حادثہ کی پیدائش کے بعد دادو کے پاس ہی رہتی تھی ہوش سنبھالنے کے بعد بھی اس نے اپنا ٹھکانہ نہیں چھوڑا تھا سب کے اپنے اپنے کمرے تھے مگر وہ دادو کے ساتھ ہی رہتی سب نے کہا مگر اس نے سب کو کہہ دیا۔

”لو اگر میں الگ کمرے میں سوؤں گی تو مجھے نیند ہی نہیں آئے گی مجھے دادو کے ساتھ کی اتنی عادت ہو چکی ہے کہ اب ان سے جدائی مجھے ایک پل بھی گوارہ نہیں۔“

حادثہ اور رومی اسے چھیڑتے۔ ”خوشی جی آپ ہماری دادو کو جہیز میں لے کر جائیں گی ناں ہم ایسے نہیں ہونے دیں گے اور سعدی کہتا دادو تو میری ہیں ان کی وجہ سے گھر میں رونق ہے میں ان سے کہانی سنتا ہوں میں دادو کو نہیں جانے دوں گا۔

اور وہ خوشی سے کھلکھلا کر کہتی ”جناب دادو میری ہیں میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہوں گی۔“

اور دادا اسے محبت سے اپنے ساتھ لگا کر کہتیں۔ ”نہ نہ خوشی ایسا نہ کہہ تجھے تو میں نے شہزادے کے ساتھ رخصت کرنا ہے بھلا لڑکیاں بھی کبھی ساری عمر ماں باپ کے گھر رہتی ہیں میری خوشی دلہن بنے گی۔“ اور پھر اماں کو مخاطب کر کے کہتیں ”بس بہت پڑھ لیا اس نے بی اے کر لیا اب رشتہ دیکھو اور اسے اپنے گھر کا کرم نے بھی میٹرک کیا تھا تو میں تجھے دلہن بنا کر لے آئی تھی اب تو انوکھا زمانہ آ گیا ہے لڑکیاں

لڑکے لوٹھا کے لوٹھا ہو جاتے ہیں اور اماں باوا کو کوئی فکر ہی نہیں ہوتی۔“ اور وہ سب ہنس پڑتے۔

”اماں دادو سچ کہتی ہیں آپ خوشی کو رخصت کریں تاکہ میری باری آئے۔“

”اے خبردار میرا نام لیا میں نے ابھی پڑھنا ہے ایم اے کرنا ہے اور خود کو دیکھو ابھی ایف ایس سی کیا ہے اور سہرا سجانے کی پڑ گئی۔“ یوں ہی وہ سب مل کر نوک جھونک کرتے ہنستے کھلکھلاتے رہتے تھے۔ جب دادو کو ایک ہوا تو وہ اسپتال میں بلک بلک کر روئی۔

”خوشی اپنے آپ کو سنبھالو اماں کو کچھ نہیں ہوگا دیکھنا ہم شام کو گھر بھی چلے جائیں گے اماں کو نے۔“
 ”بابا میرا دل کیوں بے چین ہے یوں جیسے کچھ انہونی ہونے والی ہے بابا میں دادو کے بنا نہیں رہ سکتی۔“ وہ شدت سے رونے لگی۔
 ”بابا کی جان چپ کر جاؤ آپ کو پتہ ہے نا میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا پھر آپ مجھے کیوں ستا رہی ہو۔“ اس نے اپنے آنسو اپنے آنچل میں چھپا لیے مگر جو اس دنیا میں آیا ہے اسے اپنا وعدہ بھی نبھانا ہے وہ وعدہ جو اس روح نے اپنے لوٹنے کا کیا تھا بے شک دنیا میں آکر انسان اس عارضی دنیا میں مست ہو جاتا ہے اس کا واپس لوٹنے کو دل نہیں چاہتا مگر اس کی روح کو لوٹنا پڑتا ہے یوں دادو بھی اس ابدی دنیا میں لوٹ گئی مگر ان سب کی آنکھوں کو برسات دے گئیں۔ آہستہ آہستہ سب دنیا کے کاموں میں مصروف ہو گئے مگر وہ سب کے سامنے تو نہیں رات کی تنہائیوں میں دادو کو یاد کر کے ہلکتی رہتی ابھی وہ فائل ایئر میں تھی کہ بابا اور اماں نے اس کی منگنی کر دی۔
 اریز اس کے بابا کے دوست کا بیٹا تھا بہت اچھا محبت کرنے والا منگنی سے پہلے وہ سب ایک دوسرے کے گھر میں آتے جاتے تھے لیکن منگنی کے بعد احساسات بدل گئے تھے وہ جو پہلے بلا جھجک اریز بھائی کہہ کر اسے تنگ بھی کرتی تھی اور اپنی باتیں شیر بھی کرتی تھی اب اس سے بات کرنے میں جھجک محسوس کرتی تو وہ کہتا۔

”خوشی یہ فاول ہے یا راب تو ہمارا ہمیشہ کا تعلق بن گیا ہے اب تو ہم مرتے دم تک ایک ساتھ رہیں گے مگر تم اجنبی بن رہی ہو مجھے پہلے والی خوشی چاہیے۔“
 ”اریز بھا.....!“

”نہ..... نہ اب بھائی نہیں اب صرف اریز کہو۔“
 ”یہی تو مشکل ہے میں اریز بھائی سے اپنی ہر بات شیر کرتی تھی۔ اریز سے نہیں۔“ اور کلکھلا کر ہنس دیتی۔

☆☆☆☆

”خوشی تم میری خوشی ہو اور تم ہنستی اچھی لگتی ہو کبھی ان پکلوں کو بھگینے مت دینا۔“
 دن یوں ہی خوشیوں کے جھولوں میں بسر ہو رہے تھے اس نے ایم اے کر لیا حارث ایم ایس سی ارومہ بی اے میں تھی سعد ہشتم میں اماں اور بابا نے اسے وداع کرنے کا سوچا اور اس کی شادی کی تیاری شروع کر دی۔
 ”نہ اماں یہ انصاف نہیں میں نے ابھی ایم فل کرنا ہے اور آپ مجھے گھر سے نکالنے پر تل گئے ہیں میں ابھی شادی وادی نہیں کروں گی میں نے بابا کی کمپنی میں جاب کرنی ہے۔ بس آپ بابا کو کہہ دیں۔“
 ”اماں نکالیں خوشی کو سچ ہمارے حصے کی محبتیں بھی بٹور لیتی ہے ہم مابدولت سارے گھر میں عیش کریں گے۔“ حارث کے ساتھ ارومہ جھٹ کہتی دادو کا کمرہ تو میں لوں گی۔

”اچھا تو تم دونوں میری چیزوں پر میرے کمرے پر قبضہ کرنے کا سوچ رہے ہو تو بیٹا جی بھول جاؤ میں اس گھر سے جانے والی نہیں ہوں اریز سے کہوں گی رخصت ہو کر اس گھر میں آجائے۔“ وہ انگوٹھا دکھاتی۔

”نہ خوشی ایسا نہ کہہ کوئی وقت قبولیت کا بھی ہوتا ہے بیٹیاں اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں بس تجھے رخصت ہو کر اپنے گھر جانا ہے بس بہت بڑھائی کر لی کوئی ایم فل شل نہیں کرنا تمہاری دادو سچ کہتی تھیں ہماری تو چھوٹی عمر میں شادی ہو گئی تھی اب یہ موئے لڑکوں اور لڑکیوں کو بڑھائی سے فرصت نہیں ملتی اور جب پڑھ لیتی ہیں تو ہم نے جاب کرنی ہے کی رٹ لگا لیتی ہیں اور لڑکے جب ہم بہت سا پیسہ کمالیں گے تب شادی کریں گے پتہ ہے جب میری شادی ہوئی تو تمہارے بابا کی تنخواہ تین ہزار تھی۔“
 ”سچ اماں کیسے گزارہ ہوتا ہوگا ہر چیز کے لیے ترسی رہی ہوں گی آپ۔“ رومہ نے تعجب سے کہا۔

”نہیں رومی اللہ کا شکر ہے کہ میں کسی چیز کے لیے نہیں ترسی تیرے بابا نے ہمیشہ ہر ایک کی خواہش کو مقدم سمجھا اپنے بابا اور اماں کے ساتھ میرا بھی بہت خیال رکھا پھر مہنگائی بھی اتنی نہ تھی اور خواہشات بھی محدود آج تو بس انسان خواہشات میں جکڑا ہوا ہے ہوس پرست ہو گیا ہے ہر چیز پانے کی تمنا ہے چاہے وہ اس کے لیے فائدہ مند ہو یا نقصان دہ بس دوسروں کے پاس دیکھ کر جائز ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے اچھا چھوڑو رات اریز کے والدین ڈیٹ فکس کرنے آرہے ہیں تم دونوں مل کر کھانا تیار کرو ہر چیز نو بجے تک تیار ہو جانی چاہیے تمہارے انکل اور آئی نو بجے تک کھانا کھالیتے ہیں۔“

”ہاں خوشی تم سب کچھ تیار کرنا تا کہ ابھی سے ٹائم پر کھانا بنانے کی پریکٹس ہو ان کے گھر جا کر مشکل پیش نہ آئے میں تو مووی دیکھوں

”رومی بہن کا ہاتھ بٹاؤ۔“ اماں نے اسے تنبیہ کی۔

”اماں صرف ہاتھ نہ بٹائے بلکہ سارا کام کرے میں تو اب کچھ دنوں کی مہمان ہوں اب اگلے گھر جا کر سارا کام کروں گی تو اپنی پیاری سی بہن رومی کو یاد کیا کروں گی یہ حارث کو بھی اپنے ساتھ لگا لو اپنی بیوی کے کام تو بھاگ بھاگ کر کرے گا۔“ خوشی نے افسردہ سی شکل بنا کر کہا۔

”ارے جانے دو جس کا کام اسی کو سنا جھٹے تم دونوں کام کرو میں تو دوست کی طرف جا رہا ہوں۔“

”اچھا بس بحث ختم، دونوں بچن کی راہ لو اور ہر چیز پر فیکٹ ہونی چاہیے تابندہ کو ساتھ لگا لو۔“

رات کو جب اپنے کمرے میں آئی تو دادو بے طرح یاد آئیں اس نے دادو کی تصویر پکڑی اور بے اختیار اس پر سر رکھ کر رونے لگی دادو آپ بھی چلی گئیں اب میں بھی چلی جاؤں گی۔ دادو میں اس گھر سے اماں بابا سے جدا نہیں ہونا چاہتی کیسے سب کے بنا رہوں گی مجھے تو اپنے بستر اپنے کمرے کے بنائید نہیں آئی کیسے اجنبی گھر کمرہ.....!“ سیل کی ٹون نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”اریز.....!“

”ہاں جی کیا ہو رہا ہے اب کچھ دنوں کی جدائی ہے تم خوش ہونا خوشی ارے تم بول نہیں رہی ہو.....!“

”میں..... میں کیسے رہوں گی سب کے بنا اریز یہی سوچ کر مجھے وحشت ہو رہی ہے کاش کہ ایسا ہوتا کہ لڑکے رخصت ہو کر لڑکی کے گھر آتے۔“

”ہا ہا ہا ویسے تمہیں بتاؤں لڑکے کے والدین یہی سمجھتے کہ بہو ہمارے بیٹے کو لے اڑے گی یا تم فکر نہ کرو ہر روز تمہیں آنٹی اور انکل سے ملانے لے جایا کروں گا اور پھر تم کسی اور ملک تو نہیں جا رہی ہو ایک ہی شہر ہے صرف آدھا گھنٹہ کی مسافت دلوں میں دوری نہیں ہونی چاہیے یہ فاصلے کچھ اہمیت نہیں رکھتے تم اب میرے دل کی خوشی اور میرے آنکھن کی خوشی ہو ویسے آج تم کیسی لگ رہی تھیں۔“

”جیسے پہلے لگتی ہوں کوئی تبدیلی نہیں آئی مجھ میں۔“

☆☆☆.....

محبت بدل دیتی ہے تمہیں میری محبت نے بدلا نہیں رومی تو کہہ رہی تھی تم پنک کپڑوں میں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں اور تمہاری آنکھوں میں ایک انو بھی سی چمک تھی میری محبت کی چمک کیا ایسا نہیں تھا۔“

”اریز یہ رومی کی بچی اچھا بس مجھے نیند آرہی ہے۔“ اس نے شرمیلیں لہجے میں کہا۔“

”تم ہنستی اچھی لگتی ہو بس ایک دفعہ ہنس دو۔“

”تم بھی نا.....!“ بے اختیار اس نے ہنسنے ہوئے فون بند کر دیا۔

رات پتہ نہیں کیا کچھ سوچتے سوچتے سو گئی مگر صبح نماز کے لیے فوراً اٹھ گئی جب وہ چہل قدمی کے لیے اپنے خوب صورت باغیچے میں آئی تو بابا پہلے سے موجود تھے اداس اداس سے۔

”بابا جانی کیا ہو رہا ہے آج آپ مجھ سے پہلے کیسے آ گئے۔“

”بس آج جلدی آنکھ کھل گئی تھی نماز کے بعد سویا نہیں سوچا اپنی خوشی کے گارڈن میں بیٹھ کر انجوائے کروں دیکھو تمہارے بعد پتہ نہیں کوئی اس کی دیکھ بھال کرے گا کہ نہیں رومی کو تو بس کمپیوٹر سے دلچسپی ہے ہر وقت کمرے میں گھسی رہتی ہے۔“

”ارے بابا جانی فکر نہ کریں میں ہر روز آ کر خود اس کی دیکھ بھال کر لیا کروں گی میں اس کی شادابی ختم نہیں ہونے دوں گی یہ خوبصورت پھول اور مزے مزے کے پھل میری اور آپ کی محنت کا نتیجہ ہے یہ سدا ہرا بھرا ہے گا۔“

اور پھر ہر روز شاپنگ کبھی رومی اور حارث اس کے ساتھ ہوتے بھی اماں سارا دن بازاروں میں گزر جاتا رات کو تھکے ہارے ہوتے پھر بھی محفل جمتی اور اسے تنگ کیا جاتا۔

تھقب، ہنسی مذاق اور اداسیاں سب کی فیلنگ جدا جدا نکھڑنے کا دکھ بھی تو فرض سے عہدہ برآ ہونے کی خوشی بھی رنگ محفل رات گئے تک جاری رہتی لیکن جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو جدائی کا دکھ ملن کی گھڑیوں پر بھاری ہو جاتا اور نشی آنکھیں پانیوں سے بھر جاتیں وہ اپنے کمرے کی دیواروں کو حسرت سے دیکھتی جو عنقریب اس کے لیے اجنبی ہونے والی تھیں اس نے کہیں پڑھا تھا کہ لڑکی کے لیے وہ گھر

جس میں اس کا بچپن گزرتا ہے جو ان کی بھارتی ہے گو روپوں سے کھانے سے لے کر آنکھوں میں اپنے بچے تک وہ گھر اس کا گھر رہتا ہے لیکن جیسے ہی نکاح کے بول اسے کسی سے باندھ دیتے ہیں تو وہ گھر جس میں اس کی تمام یادیں بکھری ہوئی ہیں لحوں میں اجنبی بن جاتا ہے۔ وہ جب ملنے بھی آئے تو گھر اپنا نہیں اجنبی سا لگتا ہے وہی چیزیں جنہیں وہ بے دھڑک استعمال کرتی تھی اب استعمال کرتے ہوئے خود بخود ایک جھک سی محسوس ہوتی ہے۔

انسانی فطرت ہے جو وقت اور حالات کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کبھی اپنائیت کی ساری منزلیں لحوں میں طے کر لیتا ہے اور کبھی ایک دم سے اجنبیت اور بیگانگی کی ساری حدیں پھلانگ لیتا ہے وہ سوچتی کیسے یہ سب درود یواریمرے لیے اجنبی بن جائیں گے پھر خود ہی کہتی نہیں میں کسی کو اپنے لیے اجنبی نہیں بننے دوں گی۔

موسم بہت خوشگوار تھا آج سب نے فرنیچر اور زیور پسند کرنے جانا تھا۔

”خوشی جلدی سے تیار ہو جاؤ اختر بھائی اور صابرہ بہن آ رہے ہیں۔ تمہارے بابا بھی جارہے ہیں تم بھی چلو اپنی پسند سے فرنیچر اور زیور پسند کر لینا۔“

”اماں مجھے آپ اور بابا کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں بس آپ اور بابا انکل اور آنٹی کے ساتھ چلے جائیں۔“

”اوکے بیٹا کھانا ہم گھر آ کر ہی کھائیں گے رومہ کے ساتھ مل کر اچھا سا ڈنر تیار کر لینا۔“

”ڈونٹ وری اماں ہم دونوں مل کر تیار کر لیں گی۔“

اس نے اور رومہ نے ہنستے ہاتھیں کرتے ہوئے کھانا تیار کر لیا کہ حارث نے آ کر کہا۔ ٹی وی آن کرو ایم ایم عالم روڈ مین مارکیٹ میں بم دھماکا ہوا ہے بہت جانی اور مالی نقصان ہوا ہے۔ ٹی وی پر میڈیا ایک ایک لمحے کی تصویر دکھا رہا تھا کٹی پٹی لاشیں روتے بلکتے لوگ دھواں دھواں فضا قیامت کا منظر پلیر بند کر دو میں مزید نہیں دیکھ سکتی۔

”اف لوگ کہتے ہیں قیامت کب آئے گی یہ قیامت ہی تو ہے اپنوں کی کٹی ہوئی لاشیں پھٹنے کا دکھ یہ سب دیکھنا۔ پتہ نہیں کتنے ظالم لوگ ہیں جو گھروں کو تباہ کر دیتے ہیں۔“

”خوشی سچ کہتی ہو پتہ نہیں کتنی عورتیں بیوہ ہوئی ہوں گی کتنے بچے یتیم ہوئے ہوں گے کتنے کمانے والے ہاتھ کٹے ہیں یہ کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا ہے یہ یقیناً یہودی یار کے ایجنٹ ہوں گے کوئی مسلمان اتنا ظلم نہیں کر سکتا۔“

”دس بج چکے ہیں ابھی تک اماں بابا نہیں آئے نہ انکل آنٹی فون کرو۔“ اتنے میں حارث کا موبائل بج اٹھا۔

”بابا کا فون ہوگا۔“

.....☆☆☆.....

”اریز بھائی کیا ہوا آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں۔“

”کیا ہوا انکل آنٹی کو وہ کہاں گئے تھے؟“

”اماں بابا کے ساتھ ایم ایم عالم روڈ پر جیولری شاپ پر گئے تھے۔“

”کیا کیا؟ ہاں حارث میں تمہاری طرف آ رہا ہوں کیونکہ ہم بلاسٹ ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے میری ان سے بات ہوئی تھی وہ ایم ایم عالم روڈ جیولری شاپ میں تھے اب ان کا فون نہیں مل رہا میں نے انکل آنٹی کے سیل پر بھی ٹرائی کیا ہے اللہ خیر کرے ابھی تم رومی خوشی اور سعد کو کچھ نہ بتانا بس میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔“ اسپتال سے ہو کر آتا ہوں اللہ خیر کرے۔“

”حارث کیا ہوا کس کا فون تھا۔ اماں بابا کہاں ہیں وہ فون کیوں پک نہیں کر رہے ہیں۔“

”خوشی بس اللہ سے دعا کرو اماں بابا انکل آنٹی خیریت سے ہوں ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا اریز بھائی آ رہے ہیں۔“

”اریز کیا ہوا ہے؟“

”میں اسپتال سے آ رہا ہوں۔ ہم..... ہم..... کچھ..... بھی باقی نہیں رہا۔ امی ابو انکل آنٹی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔“ آنسو سیل رواں کی طرح بہہ رہے تھے۔

”خوشی تم تم بڑی ہونا پلیر اپنے آپ کو سنبھالو..... تم نے ان سب کو حوصلہ دینا ہے۔“

”حوصلہ..... کہاں سے حوصلہ لاؤں۔“ وہ چیخ پڑی۔

”رومہ حارث‘ سعد ظالموں نے ہر گھر لوٹ لیا ہم تم تم ہو گئے آسمان اور زمین دونوں تم سے چھن گئے ہم بے آسرا ہو گئے ہیں۔“ وہ سب تڑپ رہے تھے۔ خوشیوں بھرا گھر لمحوں میں ماتم کدہ بن گیا۔ قیامت سی قیامت تھی قیامت اسی کا نام ہے جب بہت اپنے کچھڑ جائیں جب آنکھوں میں برسات سج جائے نہ کوئی ماموں نہ چچا بس دور کے رشتے دار اور دوست آئے کب اماں بابا انکل آئی کو دفنایا گیا کچھ بتانہ چلانہ مکمل اعضا ملے نہ کفن بس بکھرے اعضا کا ڈی این اے ٹیسٹ ہوا اور اریز کسی سوغات کی طرح لے آئے اور ان اعضا کو کفن اوڑھا کر منوں مٹی تلے دفن کر دیا آج اسے بہت سے رشتوں کے نہ ہونے کا احساس ہوا۔ اماں، بابا نے انہیں اتنی محبتیں دی تھیں کہ کبھی کسی رشتے کی کمی محسوس نہ ہوئی کبھی وہ کہتے کہ اف اماں آپ کیوں اکیلی پیدا ہوئیں نہ ہماری کوئی خالہ نہ کوئی ماموں‘ نانا‘ نانی تو وہ ہماری پیدائش سے پہلے ہی اللہ میاں کے پاس چلے گئے بہت جلدی تھی انہیں اللہ کے پاس جانے کی۔ بابا تو وہ اکلوتے تھے۔ پھوپھو نہ چچا‘ دادا بھی چلے گئے اور دادو بھی بیچ منجھڑ ہار میں چھوڑ گئیں۔

.....☆☆☆.....

”ارے ہم دونوں ہیں نا کیا ہماری محبت کافی نہیں۔“
”خوشی تیری تو نہ کوئی خالہ ساس نہ ماموں سر نہ پھوپھو ساس نہ چچا سسر اور اریز بھائی بھی اکیلے اماں سن لیں میری جہاں شادی کرنی ہے وہاں یہ سارے رشتے ہونے چاہیں۔ میری یہی شرط ہے۔“
اور آج کوئی اپنا نہ تھا جوان کے سر پر ہاتھ رکھتا جن کے سینے سے لگ کر وہ درد کم کر سکتیں جن کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہا سکتے سب دو چار دن رہ کر رخصت ہو گئے۔

اب وہ تھے اور زندگی کے مسائل حارث رومہ اور سعد کی تو ابھی ایجوکیشن مکمل نہ ہوئی تھی۔
”خوشی میں بابا کے آفس گیا تھا۔ اریز بھائی کے ساتھ، بقایا جات ملنے میں کچھ وقت لگے گا میں نے سوچا ہے کہ تعلیم کو خیر آباد کہہ دوں اور بابا کے آفس میں جاب کر لوں بابا اماں کا چہلم ہو جائے تو پھر سادگی سے آپ کا نکاح کر کے رخصت کر دوں۔“
”حارث میں تم سے بڑی ہوں اب اس گھر کو میں نے چلانا ہے۔ میں نے انکل سے بات کی ہے مجھے بابا کی جگہ جاب مل جائے گی۔ ایک ہفتے تک میں جوائن کروں گی تم اپنی اسٹڈی مکمل کرو گے بابا کی خواہش تھی کہ تم سی ایس ایس کرو تمہیں بابا کا یہ خواب پورا کرنا ہے۔“
”مگر خوشی تمہاری شادی۔“

”جب تم کسی مقام پر پہنچ جاؤ گے رومہ کی شادی کر دوں گی تو پھر میں بھی شادی کر لوں گی مگر ابھی نہیں ابھی اس گھر کو میری ضرورت ہے تم سب کو میری ضرورت ہے۔“
”خوشی ہم دونوں مل کر بھی تو اس گھر کو چلا سکتے ہیں میرا کون ہے کوئی بھی نہیں سوائے تم لوگوں کے۔ پھر تم نے یہ کیسا فیصلہ کیا ہے میں تمہیں جاب سے نہیں روکوں گا مگر.....!“

”اریز میں اس رشتے کو ہمیشہ قائم رکھوں گی یہ رشتہ میرے بابا اور اماں نے جوڑا تھا مگر ابھی شادی نہیں کر سکتی میں اپنے بہن بھائیوں کو چھوڑ کر اپنا گھر بسالوں ایسا میں سوچ بھی نہیں سکتی میں خود غرض نہیں ہوں شادی کے بعد بہت سی ذمہ داریاں ہونی ہیں میں دونوں گھروں کو ایک ساتھ بیچ نہیں کر سکتی میرے بہن بھائیوں کی وجہ سے تمہارے ساتھ زیادتی ہو میں تمہیں ٹائم نہ دے پاؤں یہ بھی مجھے گوارہ نہیں میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد تم سے شادی کروں گی لیکن میں اپنی وجہ سے تمہیں بھی پابند نہیں کرنا چاہتی اگر تم کہیں بھی شادی کرنا چاہتے ہو تو کر لینا بے شک میرا انتظار نہ کرنا کیونکہ انکل اور آئی کی ڈیٹھ کے بعد اکیلے زندگی گزارنا تمہارے لیے بھی مشکل ہے۔“
”خوشی تمہاری خوشی میری خوشی ہے میں زندگی کی آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گا۔“

اور وہ مشین بن گئی دفتر اور گھر کی ذمہ داریوں میں اسے صرف رات کے تنہا لمحوں میں بابا اور اماں کی یاد آتی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی۔

”بابا اماں آپ نے بہت جلدی کی جانے میں۔“
اور دن کے وقت وہ اس گھر کی چھپر چھاؤں بن جاتی اریز کی محبت اس کا حوصلہ بڑھاتی وقت گزرتا گیا یادوں کے زخم مندمل کرتے چہروں پر دھول جماتے حارث نے سی ایس ایس کر لیا اور انکم ٹیکس میں فرسٹ کلاس آفیسر لگ گیا۔
”حارث آج بابا کا خواب پورا ہو گیا آج میں بہت خوش ہوں۔“

”ہاں خوشی میں بھی آج بہت خوش ہوں اور اس خوشی میں آپ سے کچھ ہٹا چاہتا ہوں آپ میری خواہش پوری کریں گی کیونکہ بابا اماں کے بعد آپ ہی اس گھر کی سربراہ ہیں۔“

”ہاں بولو۔“

”خوشی میں اپنی کلاس فیلو سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ نامہ بہت اچھی ہے آپ اس سے مل لیں کیونکہ اب اس کے پیرٹس مزید انتظار نہیں کر سکتے مجھے بھی جاب مل گئی ہے۔“

”بہت خوشی کی بات ہے تم مجھے ان کے گھر لے جانا آج شام کو ہی چلتے ہیں۔“

”میں نامہ کو بتا دیتا ہوں۔“

”اگلے مہینے شادی حارث یہ بہت جلدی نہیں ہے کیسے تیاری ہوگی۔“

”ارے خوشی لڑکی کی شادی میں تیاری مسئلہ ہوتا ہے لڑکے کی شادی زیور چند جوڑے کپڑے اور ولیمہ بس.....“

”اچھا جی اور جو ہم نے شادی پر تیاری کرنی ہے اس کا کیا ہوگا؟“ رومی نے کہا۔

”اللہ کا نام لو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”خوشی میں یہ کیا سن رہا ہوں حارث کی شادی ہاں آج ہی وہ اپنی کسی کلاس فیلو کی طرف لے کر گیا تھا شاید پہلے سب کچھ طے تھا اس لیے فارملٹی پوری کی ہے ڈیٹ فکس کر دی ہے اگلے ماہ کی ۱۵ کو شادی ہے اریز تم کل سے آ جانا حارث اور رومہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلے جانا مجھے شاید وقت نہیں مل سکے گا کیونکہ آفس میں آج کل کام زیادہ ہے۔“

”خوشی حارث کو تمہاری شادی کی بات کرنی چاہیے تھی تم بڑی ہو میں اس سے بات کرتا ہوں۔“

”نہیں اریز تم بات نہیں کرو گے یہ اسے سوچنا چاہیے تھا جب اس نے نہیں سوچا میرے اور رومہ کے بارے میں تو چھوڑ دو۔“

”یہ خود غرضی ہے ابھی ایک ماہ ہوا ہے جاب پر لگے اور اسے اپنی شادی کی پڑ گئی تمہارے اور رومی کے بارے میں سوچنا چاہیے اب تم دونوں اس کی ذمہ داری ہو لڑکی گھر کی سربراہ نہیں ہوتی ٹھیک ہے جب تک وہ پڑھ رہا تھا تم نے اپنی ذمہ داری پوری کی مگر اب تم اس کی ذمہ داری ہو یہ تو اپنی ذمہ داریوں سے پہلو بھی کرنے کی بات ہوئی نا۔“

”اس کی بیوی اس کی ذمہ داری ہوگی ہم نہیں اور اریز ابھی مجھے رومی اور سعد کو کسی مقام تک پہنچانا ہے پھر ہی میں اپنے بارے میں سوچ سکوں گی اگر تم انتظار نہیں کر سکتے تو پلیز تم کسی بھی اچھی لڑکی سے شادی کر لو میں اپنی وجہ سے تمہیں کیوں سزا دوں۔“

”25 سال کی تھیں جب تم نے گھر سنھالا اب 28 کی ہو صرف تین سال گزرے ہیں میں تو زندگی کی آخری سانس تک تمہارا انتظار کر سکتا ہوں میں نے تم سے محبت کی ہے یاد رکھنا محبت خود غرض نہیں ہوتی کوئی بھی رشتہ خود غرض نہیں ہوتا۔ بہن بھائی ماموں چچا پھوپھو خالہ جھتیجا بھانجا بے شک میں نے ان رشتوں کو نہیں دیکھا لیکن یہ رشتے خالص ہوتے ہیں بناوٹ سے پاک۔“

”ہاں یہ رشتے اس وقت تک خالص رہتے ہیں جب تک ان میں خود غرضی نہیں آتی جب اپنی ذات کے بارے میں انسان سوچتا ہے قربانی اور ایثار کو بھلا دیتا ہے تو پھر یہ رشتے بھی بدل جاتے ہیں برا مت ماننا حارث کی مثال تمہارے سامنے ہے اس نے تمہارے بارے میں نہیں سوچا تمہاری قربانی کو یاد نہیں رکھا کہ کس طرح تم نے اپنی محبت کو بھلا کر اپنے بہن بھائیوں کے لیے خود کو وقف کیا تعلیم کا خرچہ اٹھایا گھر کی دیکھ بھال کی اور آج موقع ملتے ہی اس نے اپنی زندگی سنوارنے کا سوچا تمہاری کسی قربانی کا خیال نہیں کیا اگر تم خود غرضی دکھائی اور شادی کر لیتی تو حارث آج اس مقام پر ہوتا خوشی اپنے بارے میں ضرور سوچنا ایسا نہ ہو تم خود اپنے ہی اس آشیانے میں اجنبی بن کر رہ جاؤ۔“

”اریز پلیز ایسا مت کہو سعد اور رومہ ایسا نہیں کریں گے۔“

”خدا کرے تمہاری کوئی توقع نہ ٹوٹے لیکن ابھی ایسا ہوا تو خوشی مجھے ضرور آواز دینا دن رات کی تفریق کیے بنا میں اسی وقت تمہارے پاس آ جاؤں گا کیونکہ میری محبت خالص ہے۔“

”اریز تمہاری محبت کے سہارے ہی تو میں نے بابا اماں کے بنا ان ذمہ داریوں کو پورا کیا ہے تمہاری محبت نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا بس آئندہ بھی ایسے ہی ساتھ دینا۔“

”خوشی تم ہمیشہ اپنے ساتھ مجھے پاؤ گی۔“

وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب نامہ کی آواز نے اس کے قدموں میں زنجیریں ڈال دیں۔
”حارث کیا یہ گھر صرف خوشی آپ کی کا ہے میرا کوئی حق نہیں کہ میں اس کو سنوار سکوں اپنی مرضی سے فرنیچر سیٹ کر سکوں۔“

”کس نے کہہ دیا یہ گھر میرا ہے اور میرے حوالے سے تم اس گھر کی مالکن ہو میں اور سعد اس گھر کے وارث ہیں خوشی اور رومہ نہیں تم جیسے چاہو اسے بناؤ سنوارو کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔“

”حارث اب ہمارا اسٹیٹس چیلنج ہو چکا ہے تم گریڈڈ آفیسر ہو اس حوالے سے میرا اور تمہارا ملنا جلنا ہے اب یہ تھرڈ کلاس فرنیچر سوٹ نہیں کرتا کل میں نے فرنیچر بیچنے کی بات کی تو خوشی آپ کی کہنے لگیں کہ ”گھر جس طرح سیٹ ہے اسی طرح رہنے دو نہ ہی فرنیچر بیچنا ہے۔“
”خوشی کے کمرے کو چھوڑ کر تم جو چیز رکھنا چاہتی ہو رکھو باقی کباڑ یا کو بیچ دو اور گھر کو اپنے مطابق سیٹ کر لو یہ اے لی ایم رکھ لو جس طرح کا فرنیچر لینا چاہتی ہو لے آؤ سعد کو ساتھ لے جانا رومہ سے پوچھ لینا اگر جانا چاہے تو لے جانا۔“

”اوہ ٹیکس حارث تم نے اپنائیت کا احساس دلادیا ورنہ میں سمجھ رہی تھی یہ صرف خوشی آپ کی کا گھر ہے ہمارا نہیں۔“

اور وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی آنسو تھے کہ بہے چلے رہے تھے میں نے کب اس گھر پر اپنا حق جتایا میں تو صرف اماں اور بابا کا فرنیچر نہیں بیچنا چاہتی تھی لیکن کل بابا اور اماں کا لایا فرنیچر بک جائے گا ان کے ہاتھوں کی یادگار کوئی چیز اس گھر میں نہیں رہے گی۔ ”بابا یہ حارث کو کیا ہو گیا کیوں اتنا بدل گیا مجھے لوگوں کے رویے بدلنے سے خوف آتا تھا کیونکہ جب رویے بدلتے ہیں تو رشتے بھی بدل جاتے ہیں اور اب میں سب کے رویے بدلتے ہوئے محسوس کر رہی ہوں یہی رشتے تو ہیں میرے پاس اگر یہ بھی بدل گئے تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔“

سیل کی بیپ نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا ریز کا فون تھا۔

”ہاں جی کیا حال ہے آج تم نے بات نہیں کی تو میں نے سوچا میں ہی رابطہ کر لوں..... ارے میں بول رہا ہوں تم کچھ بول نہیں رہی ہو

خیریت ہے نا۔“

”ہاں سب خیریت ہے بس نیند آرہی تھی۔ اس لیے فون نہیں کیا۔“

وہ ہنس آشا کیسے نہ بیچا تھا ”تم رو رہی ہو۔“

”نہیں تو وہ فلو ہو رہا ہے نا اس لیے آواز بھاری ہو رہی ہے۔“

”خوشی تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں سچ بتاؤ کیا ہوا ہے۔“

”وہ کل بابا اور اماں کا فرنیچر بک جائے گا کتنی یادیں وابستہ ہیں نامیری بس اس لیے دل بھر آیا۔“

”ارے اتنی سی بات میں وہ سارا فرنیچر خرید لوں گا اب خوشی تم جب میرے گھر آؤ گی نا بابا اور اماں کی سب یادیں میرے آنگن میں

تمہارا انتظار کریں گی۔“

”اریز تم..... تم بہت اچھے ہوا تنے کہ میں کن الفاظ میں بیان کروں۔“

”بس تم خوش ہونا میرے لیے یہی کافی ہے اب تم سکون سے سو جاؤ۔“

”اریز تم تو میرے ماں جائے سے بھی بڑھ کر ثابت ہوئے۔“

گھر سیٹ ہو گیا ہر پرانی چیز اریز نے خرید لی۔ اس نے پھر کبھی دخل نہ دیا کیا ہو رہا ہے بس وہ سعد اور رومہ کی فیس دیتی رہی حارث نے کبھی نہ کہا کہ اب تم جا ب چھوڑ دو۔

اب اس کی ضرورت نہیں میری پے بہت اچھی ہے بہت اچھا گزارہ ہو گا کسی نے اس کے بارے میں نہ سوچا سعد اپنے حال میں مست اور رومہ اپنی سرگرمیوں میں گم۔

وقت دھیمی چال چلتے ہوئے بھی گزرتا گیا۔ اس کے بالوں میں چاندی اتر آئی سعد اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گیا اور پھر وہاں ہی سیٹ ہو گیا شادی بھی کر لی رومہ نے ایم فل کیا اور پھر حارث سے کہا میرے کلاس فیلو کے والدین میرے لیے آنا چاہتے ہیں آپ خوشی سے بات کر لیں۔

”تم خود خوشی سے بات کرو۔“

”نہیں حارث تم میرے لیے بات کرو وہ کیا سوچیں گی۔“

”رومی اب اس عمر میں وہ لال جوڑی پہن کر رہیں گی، بوڑھی گھوڑی لال لگا تمہاری تو بڑھ عمر ہے ویسے تو تم نے بھی دیر کردی شادی کی آئیڈیل عمر پچیس سال ہے تم بھی اب بیس کی ہو رہی ہو وہ تو اڑیس کی ہیں اس عمر میں شادی مذاق ہی بنے گی شکر ہے میری اور حارث کی وقت پر شادی ہوئی۔“ نامہ نے کیا تم فکر نہ کرو میں ان سے بات کروں گی۔

”بھائی میں تو رضا کا انتظار کر رہی تھی اس کے پیرٹس کہتے تھے پہلے اس کی دونوں بڑی بہنوں کی شادی ہوگی پھر اس کی کریں گے اب وہ اپنے فرائض سے فارغ ہو گیا ہے۔ اس لیے اس نے مجھے کہا ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے میں کل خوشی آپی سے بات کروں گی۔“

اس نے سب کی باتیں سنیں اور اپنے کمرے میں چلی آئی اب وہ روتی نہیں تھی غموں اور سب کے بدلتے رویوں نے اسے باور کرا دیا تھا کہ اب اس کی ضرورت ختم ہو گئی ہے۔

اسے تنہا جینا ہے نوکیلے لفظ اسے پھپھانی تو کرتے مگر ان کی دھار وہ سہہ جاتی ہاں بھابھی نے اس پر یہ مہربانی کی تھی کہ بھتیجا اس کی گود میں ڈال دیا وہ آفس سے آکر اس کے ساتھ لگ جاتی اس کے ساتھ کھیلتی۔ اس طرح اس کا دل بہلتا جب فارس اپنی پیاری سی آواز میں اسے آتی کہتا تو وہ بے پناہ خوش ہوتی مگر اب وہ بھی بڑا ہو گیا۔ دہم کا طالبعلم اب وہ اسکول سے آکر کرکٹ کھیلنے چلا جاتا شام کو اکیڈمی۔ جب وہ اس سے کہتی فاری تم میرے پاس آتے ہی نہیں ہو تو وہ کہتا۔ ”آنی ٹائم ہی نہیں ملتا۔“ بچپن میں وہ اسے اپنے آفس میں بھی لے جاتی فنکشن ہوتا وہاں لے جاتی بھابھی فارس کو منع کرنی کہ تم نہ جاؤ اور وہ کہتا۔

”ماما میں آنی کے بغیر نہیں رہ سکتا میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔“ اور وہ خوشی سے سرشار ہو جاتی کہ کوئی تو ہے جو بے غرض اسے چاہتا ہے مگر اسی فاری کے پاس اب اس کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہ مزید تنہا ہو گئی تھی۔ نامہ نے اسے رضا کے رشتے کا بتایا۔

”ٹھیک ہے حارث سے کہو تحقیق کر لے میں ارین کو بھی کہہ دوں گی انہیں سنڈے کو بلا لیں۔“

”خوشی آپی میں نے ساری تحقیق کر لی ہے ویسے بھی وہ رومی کا کلاس فیلو ہے دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں بس اب آتے ہیں تو ڈیٹ فکس کر دیتے ہیں۔ خوشی آپی اب رومی ۳۲ سال کی ہو گئی ہے شکر ہے کہ پڑھا لکھا رشتہ ہے ورنہ تو بیچاری پڑھی لکھی لڑکیاں پڑھے لکھے لڑکوں کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں والدین پر بوجھ بن گئی ہیں۔ والدین الگ پریشان ہیں اور ایسی لڑکیوں کے خواب وقت کی دھول میں اٹ جاتے ہیں۔ بے چاری اپنے گھر کے انتظار میں سرخ جوڑے کے بجائے سفید کفن اوڑھ لیتی ہیں ہمیں بھی اب رومی کے سلسلے میں مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو نامہ، بس اب ڈیٹ فکس کر کے شادی کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ ہاں آپی کھانے کا آرینج تو حارث کر لیں گے باقی جہیز کا آرینج آپ کر لیں گھر کے اتنے اخراجات ہیں کہ بچت ہی نہیں ہوتی۔“

”نامہ تم فکر نہ کرو میں کھانے کا آرینج بھی کر لوں گی۔“

”خوشی اب سب ذمہ داریاں پوری ہو گئی ہیں تم میرے آنگن میں کب خوشی کی کرن بن کر آ رہی ہو؟“ رومی کی شادی کے تیسرے دن ارین نے اسے کہا۔

”نہ دل میں کوئی امنگ نہ جینے کی کوئی آرزو بڑھا پے میں اب کیا شادی کرنی لوگ کیا کہیں گے بوڑھی گھوڑی لال لگا مچھوڑو کچھ زندگی گزر گئی کچھ گزر جائے گی۔ ارین میں تمہاری گناہ گار ہوں۔ تم نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا مگر میں تمہاری کوئی خواہش پوری نہیں کر سکی مجھے معاف کر دینا۔ اب شادی کرنا یوں لگتا ہے جیسے مردے کو کفن کے بجائے سرخ لباس پہنا دیا جائے۔“ اس نے بہت سفاکی سے کہا۔

”اب تو میرا بھتیجا شادی کے قابل ہو گیا ہے۔ ارین مرد کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں وہ اسی سال کی عمر میں بھی شادی کر لے تو دنیا باتیں نہیں کرتی لیکن اگر لڑکی تیس سال سے اوپر ہو جائے تو دنیا طعنے دینا شروع کر دیتی ہے۔ منحوس، کالی قسمت بد نصیب، بیچاری اور نہ جانے کیا کیا۔ تم شادی کر لو کسی بھی اچھی لڑکی سے اگر کہتے ہو تو میں دیکھتی ہوں تمہاری لیے لڑکی۔“

”خوشی یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔“

”ہاں پلیز ارین میں..... میں بہت مجبور ہو کر کہہ رہی ہوں میں اس عمر میں شادی کر کے لوگوں کی اور اپنوں کی باتیں نہیں سن سکتی میرا حوصلہ اب جواب دینے لگا ہے۔“

”تم نے ہمیشہ اپنوں کے بارے میں سوچا جب تمہاری شادی کی عمر تھی تو وہ عمر تم نے اپنوں پر واردی ان کی اسٹڈی کے لیے اپنی ذات

تج دی اب سب اپنے مقام پر ہیں کسی کو تمہارا احساس نہیں کہ تمہارا بھی ایک گھر ہونا چاہیے انکل اور آنٹی نے میرے ساتھ تمہاری ایجنٹ کی تھی رشتہ تمہارے لیے مسئلہ نہیں کہ ڈھونڈنا پڑے گا پھر تمہارے بہن بھائیوں کا اگنور کرنا سمجھ نہیں آتا میں بات کروں حارث سے۔“

”نہیں اریز کسی سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں میں خود اس عمر میں تماشا نہیں بننا چاہتی۔ آج سے میں تمہیں آزاد کرتی ہوں۔ بس تم کسی اچھی لڑکی سے شادی کر لینا۔“

”شادی مسئلہ نہیں ہے میرے دل کی خوشی تم ہوا اگر تم نہیں تو کوئی بھی نہیں لیکن ایک وعدہ کرو جب تم تھکنے لگو اور بہت تنہا ہو جاؤ کوئی اپنا نہ رہے تم اپنوں پر بوجھ بن جاؤ تو پلیز مجھے آواز دینا میں ایک پل بھی نہیں لگاؤں گا پھر میرا جو فیصلہ ہوگا وہ تمہیں قبول کرنا ہوگا، وعدہ کرو پلیز۔“

”جب میرا کوئی اپنا نہ رہا اور میرا وجود زمین پر بوجھ بن گیا تو میں تمہیں ضرور آواز دوں گی لیکن اریز ایسا ہوگا نہیں میرے اپنے مجھے بھی تنہا نہیں چھوڑیں گے اتنا مجھے یقین ہے۔“

وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ فارس نے ایم بی اے کر لیا اس کی زندگی کے مزید پانچ سال وقت کی دھول کی نذر ہو گئے اب کسی کو اس کی پرواہی نہ رہی نہ اس کی ضرورت رہی۔

زندگی نے عجب کھیل کھیلایا جب سب کو اس کی ضرورت تھی تو وہ سب کی جان تھی بڑی تھی مگر اب وہ بے جان چیز کی مانند اپنے کمرے میں پڑی رہتی کوئی اسے کھانے کے لیے بھی بلانے نہ آتا سب اپنی دلچسپیوں میں مست تھے۔ فارس، حادیہ اور ماریہ جو بچپن میں اس کے کمرے سے نکلتے نہیں تھے اب اس کے کمرے میں جھانکتے بھی نہ تھے۔

ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ سب کے لیے اجنبی بن گئی۔ اس کی زندگی اپنوں کے لیے بوجھ ہو گئی۔

آج کتنے دنوں کے بعد وہ لان میں چلی آئی بہت سی یادیں بہت سے منظر پلکوں کی باڑ سے جھانکنے لگے اس کے لگائے گئے پودے قد آور درخت بن چکے تھے اسے ٹی وی لاؤج سے فارس کی اوچی آواز سنائی دی۔

”پاپلیز اب اس گھر کو بیچ دیں آج تو سامعہ کے گھر والوں نے ہمیں انوائٹ کیا ہے کل ہم اسے اس پرانے گھر میں انوائٹ کریں گے اب یہ گھر ہمارے اسٹیٹس کے مطابق نہیں ہے ہمیں کسی سوسائٹی میں گھر لینا چاہیے۔ میں نے چاچو سے بات کی تھی وہ کہہ رہے ہیں کہ بیچ دو انہیں تو پیسہ بھی نہیں چاہیے کہہ رہے تھے جب بھی پاکستان آؤں گا کسی بھی اچھی سوسائٹی میں گھر لے لوں گا تم لوگ گھر بیچ کر کسی سوسائٹی میں لے لو۔“

”تمہارے پاپا کیا کریں پھوپھو نہیں بیچنے دیں گی یہ تو مجبور ہیں انہیں گھر سے تو نہیں نکال سکتے۔“

”ہاں بیٹا تمہاری ممدارست کہہ رہی ہیں میں کیسے خوشی سے کہوں کہ ہم نے گھر بیچنا ہے وہ نہیں بیچنے دیں گی۔“

”پاپا ان سے کہیں وہ خود خرید لیں ہمیں پیسہ دے دیں تاکہ ہم اس پھلٹچر سے گھر سے نکلیں۔“

”وہ اکیلی کیسے رہیں گی اور پھر ان کے پاس اتنا پیسہ کہاں ہوگا۔“

”مجھے نہیں پتہ پاپا میں ملٹی نیشنل کمپنی میں مینجر ہوں ایسے ہی لوگوں سے ملنا جلنا ہے اس گھر میں لاتے ہوئے شرم آتی ہے پلیز آپ آنی سے بات کریں۔“

”ڈنر ہے سامعہ کے گھر آپ سب 6 بجے تک تیار ہو جانا حادیہ، ماریہ تم بہت دیر کرتی ہو ٹائم پر تیار ہو جانا اوکے۔“

”فارس پھوپھو کو بتایا ہے تاکہ وہ بھی تیار ہو جائیں۔“

”آنی کو..... نو موما وہ ہماری فیملی کا حصہ تو نہیں ہماری فیملی پاپا ماما میں حادیہ اور ماریہ پر مشتمل ہے۔“

”بیٹا وہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں تو ہماری فیملی کا حصہ ہوئیں نا حارث نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔“

”پلیز پاپا آنٹی نے تو صرف ہمیں انوائٹ کیا ہے انہیں بتا دیں گے جب دوبارہ جائیں گے تو پھر آنٹی کو بھی لے جائیں گے آج تو صرف ہم لوگ ہی جائیں گے میں نے سامعہ کو بتا دیا تھا اب اسے دوبارہ فون کر کے آنٹی کا بتاؤں تو اچھا نہیں لگے گا۔“

”اوکے بیٹا۔“

”پاپا آپ مکان کے سلسلے میں آنٹی سے بات کریں گے نا پلیز۔“

”کل بات کروں گا آج تو میرا بیٹا بہت خوش ہے نا سامعہ کی طرف جانا ہے تمہیں پسند ہے تو ہمیں بھی پسند ہے بس ڈن کر دیں گے۔“

”پیپا کھلے عام رشوت۔“ ہادیہ اور ماریہ کا قہقہہ گونجا۔

مگر اس کے ارد گرد سائیں سائیں ہو رہی تھی آوازوں کی بازگشت اس کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی وہ تیزی سے اپنے کمرے میں آئی اور اپنے بیڈ پر گر گئی۔
کیا میں بوجھ ہوں کسی کی فیملی میں نہیں ہوں پھر میں کون ہوں میری فیملی کہاں ہے؟ میری ضرورت ختم ہو گئی ہے مجھے مرجانا چاہیے یہ گھر یہ رشتے سب میرا کچھ نہیں پھر میں زندہ کیوں ہوں کچھ عرصہ پہلے اس نے خود ایک نظم لکھی تھی اس کے الفاظ اس کے لبوں پر آ گئے۔

ضرورتوں کے رشتے ہیں

ضرورتیں جو باقی ہیں تو رشتے بھی باقی ہیں

ضرورت جو ختم ہوئی

ایک چھت کے نیچے پھر سب اجنبی سے ہیں

زندگی سے جڑے رشتے جب بوجھ بن جاتے ہیں

نفرتوں کے سانچے میں رشتے ڈھل جاتے ہیں

احساس باقی رہتا ہے نہ وفا کے پھول ٹھٹھتے ہیں

سب رشتے وقت کی دھول میں اٹ جاتے ہیں

سب رشتے پھر مٹی میں رل جاتے ہیں

آہ رگ جاں ٹوٹ رہی ہے درد اتنا ہے کہ دل وحشی ہر رگ جاں سے الجھ رہا ہے۔ آہ..... دل رکا ہوا سا محسوس ہوتا ہے اے دل کچھ لمحے ٹھہر جاؤ کسی اپنے کو آواز دینے دو مگر کون اپنا ماں جایا ماں جانی فارس باپ کا وارث سب رشتے وقت کی دھول میں اٹ جاتے ہیں ضرورتوں کے رشتے۔ سب اجنبی سے ہو جاتے ہیں۔ یہ ربط الفاظ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔
”سنو جب بہت اکیلی ہو جاؤ کوئی اپنا نہ رہے تو مجھے آواز دینا میں منتظر ملوں گا۔“ اریز بے اختیار اس کے ہاتھ موبائل کی طرف بڑھے۔
”ارے رات کے اس سے میری یاد آئی خوشی۔“

”اریز..... اریز.....!“

”خوشی..... خوشی..... کیا ہوا۔“ موبائل ہاتھ سے گر گیا۔

وہ آندھی طوفان کی طرح آیا بابا سب گھروالے کہاں ہیں۔ کوئی نظر نہیں آ رہا اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

”خوشی..... خوشی کہاں ہے؟“

”وہ سب تو فارس بیٹے کا رشتہ دیکھنے گئے ہیں خوشی بیٹی اپنے کمرے میں ہوگی۔“ وہ تیزی سے خوشی کے کمرے کی طرف آیا۔

خوشی اپنے بیڈ پر بھری پڑی تھی ہوش خرد سے بیگانہ اس کا دل کانپ اٹھا اس نے بابا کو آواز دی۔

”بابا.....!“

”کیا ہوا خوشی بیٹا کو کیا ہوا اریز بیٹا۔“

”یہ یہ بے ہوش ہیں انہیں اسپتال لے جانا ہوگا۔“

جب اسے ہوش آیا تو وہ وفا کا پتلا اس کے پاس بیٹھا تھا۔

”شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا میں نے حارث کو فون کر دیا ہے وہ آتے ہی ہوں گے۔“

”لیکن اب میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ تم بہت اکیلی تھیں اس لیے مجھے آواز دی ناب میں تمہیں اکیلا رہنے ہی نہیں دوں گا۔“

اس نے آنکھیں موند لیں وہ جان چکی تھی اب اس کے اپنوں کے پاس اس کے لیے وقت نہیں رہا تھا۔ وہ سب اپنے اپنے مقام پر پہنچ چکے تھے اب وہ محض بوجھ تھی۔ بوجھ کا اتر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔